قسط نمبر ۵

تشکیل قوانین اسلامی کے مراحل

مفتی امجد العلی ـــــ ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی

ان مشہور مصنفین قوانین اسلامی کی طرح تنزیل الرحمٰن صاحب اعزازی پروفیسر قانون ادارہ تحقیقات اسلامی پاکستان کو بھی اس طریقے کو اپنانے پر مجبور ہونا پڑا اور ان کی تالیف مجموعہ قوانین اسلامی اسی نہج پر مرتب کی گئی ہے۔ بلکہ میں تو یہاں تک کہوں گا کہ جو شخص بھی آج کے احوال و مسائل اور واقعات و حوادث کے لیے احکام شرعیہ مرتب کرے گا، اسے لازماً یہی راستہ اختیار کرنا ہوگا۔ وہ جب تک اپنے تقلیدی تعصب و عناد کو پس پشت ڈال کر سلف صالحین کے اس طریقے کو اختیار نہ کرے گا وہ کوئی خاطر خواہ اور مفید نتیجہ پیدا نہیں کر سکے گا۔ بصورت دیگر ایسے شخص یا اشخاص کی قانونی تشکیل جدید کا عمل حتیٰ یلج الجمل فی سم الخیاط کا مصداق ہوگا مثال کے طور پر تنزیل الرحمٰن صاحب نے نابالغوں کی شادی کے بارے میں جہاں یہ لکھا ہے کہ "نابالغوں کی شادیاں کرنا کوئی امر تاکیدی نہیں ہے بلکہ ایک امر مباح ہے۔ مقتدر اعلیٰ یا ملک کا قانون ساز ادارہ معاشرے کے مفاد میں اس کو موقوف معطل یا قید کر سکتا ہے"؛ تو یہ موصوف کا اپنا ذاتی خیال نہیں ہے۔ بلکہ یہی قول عام علماء مصر و دیگر ممالک اسلامیہ کا بھی ہے۔ ڈاکٹر محمد موسیٰ استاذ الشریعۃ الاسلامیہ جامعہ عین الشمس قاہرہ نے لفظ واحد کی تین طلاق کو تین قرار دینے پر بحث کرتے ہوئے اپنی کتاب تاریخ الفقہ میں لکھا ہے۔

اور اس فعل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت موجود نہیں، بلکہ شوہر کے حق رجعت کو روک دینا تھا اور یہ امر مباح ہے، اور یہ ہم جانتے ہیں کہ ولی الامر کو بعض مباحات میں پابندی کا اس وقت حق حاصل ہے جبکہ مباح کے سلسلہ میں مصلحت کا اقتضاء ہو۔ خواہ یہ تخصیص نص یا ترک ظاہر نص کی بت ہی میں کیوں نہ ہو۔[1]

---

[1] الاسلامی ص۹۱ الدکتور محمد یوسف موسیٰ مطبوعہ مصر ۱۲/۲، ج ۱۹۵۸ء)

نیز علاؤالدین خروفہ قاضی بصرہ اپنی کتاب "شرح الاحوال الشخصیہ" کے جزاول میں سید محمد رشید رضا کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اور سید محمد رشید رضا نے فرمایا ہے۔ پس امام کو حق حاصل ہے کہ مباح کو ممنوع کر دے، جبکہ اس کے ارتکاب میں کسی مفسدہ کا خوف ہو جب تک کہ یہ مفسدہ قائم رہے اور مصلحت اس ممانعت کو چاہتی ہو بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قحط سالی کے موقعہ پر چور کی حد موقوف فرما دی تھی۔ اور اس کے دوسرے نظائر بھی موجود ہیں، اس قول کو نقل کرنے کے بعد قاضی خروفہ نے اپنی رائے کا اظہار یوں کیا ہے۔

اور شریعت اسلامیہ میں یہ بات مقرر ہے کہ مباح کو مقید کر دینے کا اولی الامر کو اختیار حاصل ہے جب وہ اس میں عام مصلحت دیکھے۔ اس لیے کہ زمانے کے تغیر سے احکام متغیر ہونے کا انکار کیا ہی نہیں جا سکتا۔ اور یہ (تغیر) شرعی سیاست میں ثابت ہے۔ [1]

قاضی علاؤالدین خروفہ نے اس سلسلے میں کلیۃ الشریعۃ بالازھر کا ایک واقعہ اس طرح نقل فرمایا ہے لکھتے ہیں جب کالج کے استاد نے تعدد زوجات کے سلسلہ میں حکومت کی طرف سے کسی پابندی لگا دینے کو جائز اور صحیح عمل قرار دیا تو کالج کے ایک نوجوان طالب علم نے دینی جذبہ کے تحت استاد پر اعتراض کرتے ہوئے کہا، کیا آپ کا یہ قول صریح نص قرآن کی مخالفت نہیں ہے؟ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے مثنیٰ و ثلاث و ربع۔ شیخ نے جواب یوں کہا۔ بلکہ یہ عمل تو اسلام کے عین مطابق ہے۔ اس پر اس نوجوان کو اس کی جوانی کے جوش نے غضبناک کر دیا اور وہ کہنے لگا۔ ! آپ لوگوں کا تو یہ معمول ہو گیا ہے کہ حکومت کے ہر اقدام کو حلال و جائز قرار دیں۔ اس پر شیخ نے اس سے کہا، تمہاری اس بات نے ثابت کر دیا کہ تم اصول فقہ سے بالکل ناواقف ہو۔ جواب میں شاگرد نے کہا! یہ تو مجھے اقرار ہے کہ میں اس میں ایک ابتدائی درجہ کا طالب علم ہوں۔ پھر شیخ نے اس سے سوال کیا کہ آیا تعدد زوجات فرض ہے یا واجب یا حرام یا مکروہ یا مباح۔ شاگرد نے کہا مباح ہے! شیخ نے فرمایا تم نے بالکل صحیح کہا، اب تم نے جس امر کو ناگوار و ناجائز سمجھ کر سوال کیا تھا تمہارے اس قول میں خود ہی اس کا جواب ہے۔ اس لیے کہ شریعت میں یہ امر مقرر شدہ ہے کہ ولی الامر کو کسی مباح امر کو مقید کر دینے کا اختیار حاصل ہوتا ہے جب

---

[1] شرح قانون الاحوال الشخصیۃ جز اول مطبوعہ بغداد سنۃ ۱۳۸۱ھ - ۱۹۶۲ء ص ۱۲۰

وہ اس مباح کے ارتکاب میں ایک عام ضرر محسوس کرے اور اس کی تقیید میں عام مصلحت مضمر ہو۔ مثلاً اگر ولی الامر لوگوں پر (کسی مصلحت کی بنا پر) یہ پابندی لگا دے کہ وہ شام کے پانچ بجے تک اپنے مکانوں سے باہر نہ نکلیں۔ اگرچہ ان لوگوں کا مکانوں سے باہر آنا مباح تھا لیکن ان پر یہ پابندی لگانا کسی فساد کے پیش نظر ولی امر کے لیے جائز ہو گی۔ پس اسی طرح جب کسی مباح فعل سے ضرر کا اندیشہ ہو تو ولی امر کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس فعل سے لوگوں کو روک دے۔ اس جواب کے بعد شاگرد خاموش ہو گیا۔[1]

یہاں ہم نے صرف دو حضرات کے اقوال نقل کیے ہیں۔ اگر طوالت کا ڈر نہ ہوتا، تو ہم اپنی تائید میں اور بہت سے حضرات کے اقوال ذکر کر سکتے تھے۔

پاکستان کے بعض علماء نے اپنے مضامین میں مباح پر خصوصی بحث کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے "فرضیت، وجوب اور اباحت کو جہات حکم کہا جاتا ہے۔ ان میں سے جہت کو بھی تبدیل کرنے کا کسی کو حق حاصل نہیں ہے۔ خوب سمجھ لیجیے جس طرح فرض اور واجب کو تبدیل نہیں کیا جا سکتا اسی طرح مباح کو بھی تبدیل نہیں کیا جا سکتا، اور کوئی اسلامی حکومت اس امر کی قطعاً مجاز نہیں کہ وہ کوئی ایسی قانون سازی کرے جس کی بناء جہات میں سے کسی جہت پر بھی کوئی زد پڑ سکے۔"

"ماہنامہ بینات ص۱۱ ماہ صفر ۸۳ھ"

مجموعہ قوانین اسلامی مؤلفہ تنزیل الرحمان صاحب اعزازی پروفیسر ادارہ تحقیقات اسلامی پر تبصرہ کرتے ہوئے پھر اسی رائے کا اظہار کیا ہے، لکھتے ہیں۔ "اور جس حکم شرعی کی اباحت قرآن و حدیث سے ثابت ہو وہ مباح الشرع کہلاتا ہے۔ ایسے مباح امر شرعی پر کسی قانون ساز ادارے یا مقتدر اعلیٰ (اولی الامر) کو پابندی عائد کرنے کا حق نہیں ہے۔" اپنی اس رائے کے ثبوت میں ان حضرات نے علامہ ابو اسحاق شاطبی رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت کو نقل کیا جو علامہ نے مباحات کے اقسام بیان کرتے ہوئے تحریر فرمائی ہے۔ وھوھذا۔

بل ھو ثلاثۃ اقسام۔ قسم یکون ذریعۃ الی منھی عنہ فیکون من تلک الجھۃ مطلوب الترک وقسم یکون ذریعۃ الی مامور بہ کالمستعان بہ علی امر اخروی، ففی الحدیث نعم المال الصالح للرجل الصالح، بل قد جاء أن فی مجامعۃ الاھل اجراً وان

---

[1] شرح قانون محولہ بالا ص ۱۲۲/۱۲۱)۔

كان قاضياً شهوته لانه يكف به عن الحرام وذلك في الشريعة كثيرة لانها لما كانت وسائل الى
مامور به كان لها حكم ما توسل بها اليه وقسم لا يكون ذريعة الى شئ فهو المباح المطلق فاذا
فرض الى غيره فحكمه حكم ذلك الغير. الموافقات ج ۱ ص ۱۱۴) بتيات ص ۱۱۱ ماه صفر ۱۴۰۱ھ۔

بلکہ مباح کی تین اقسام ہیں ایک قسم وہ ہے جو کسی ممنوع امر کے ارتکاب کا ذریعہ ہو جاتی ہے۔ پس اس وقت یہ قسم مطلوب الترک ہو گی؛ دوسری قسم یہ ہے کہ کسی مامور بہ امر کا ذریعہ ہو مثلاً کسی اُخروی امر کی انجام دہی میں معاون ہو۔ چنانچہ حدیث میں وارد ہوا ہے کہ نیک مرد کے لیے اچھا مال بہتر چیز ہے، بلکہ یہ بھی آیا ہے کہ انسان کو اپنی زوجہ سے مجامعت میں بھی اجر ملتا ہے، اگرچہ یہ فعل خواہش نفس پوری کرنے کے لیے ہوتا ہے، لیکن چونکہ حرام سے حفاظت کا ذریعہ ہوتا ہے، اس لیے باعث اجر بھی ہو گیا۔ اور اس کی مثالیں شریعت میں کثرت سے ہیں۔ اس لیے کہ جب یہ مباح مامور بہ کا وسیلہ ہو گا تو اسی کے حکم میں داخل ہو گا؛ تیسری قسم وہ ہے کسی شئ کا ذریعہ نہ ہو پس وہ مطلق مباح ہے چنانچہ جس وقت یہ کسی (دوسرے امر کا) وسیلہ بنے گا۔ تو اسی غیر کا حکم اس کے حق میں ثابت ہو گا۔"

اس مسئلہ پر گفتگو کرنے سے قبل ہم مختصراً یہ گزارش کر دیں کہ ایسے حضرات اگر کوئی اسلامی شرعی قانون جو اقتضاء عصر حاضر کے مطابق - جالب المصالح و دارئ المفاسد یا کم از کم تقلیل مفاسد و دفع حرج الناس و سبب یُسر و دفع عسر - کا ذریعہ ہو سکے، قیامت تک مدون کر لیں تب ہم جانیں، ہمارا ذمہ ہے کیونکہ ان حضرات کے قول کے مطابق جہات احکام یعنی فرض، واجب، سنت، مستحب، حرام، مکروہ تحریمی، مکروہ تنزیہی اور مباح میں سے جو ادنیٰ جہت مباح ہے وہ بھی قابل تبدل و تغیر نہیں۔ اور موجودہ زمانے میں جتنے حوادث اور واقعات پیش آچکے اور آرہے ہیں، وہ ان مذکورہ احکام میں سے کسی ایک کے تحت لازماً داخل ہیں حتی کہ ان احکام کے ادنیٰ درجات مکروہ تنزیہی اور مباح تک میں داخل ہیں۔ اور جب ان تمام احکام کا ادنیٰ درجہ بھی قابل تبدل یا تقیید نہیں ہے بلکہ اس کی تقیید یا تخصیص مداخلت فی الدین ہے تو ظاہر ہے کہ اس سے اعلیٰ درجات میں دست اندازی تو اور بھی زیادہ مداخلت فی الدین ہو گی اب اگر یہ کہا جائے کہ صرف مباح الاصل ہی مقتدر اعلیٰ کے تصرف کے لیے رہ جاتا ہے اس میں وہ جس طرح چاہے، تصرف کرے تو اس کے جواب میں ہماری گزارش یہ ہے کہ جن امور کے لیے آج تشریع اسلامی کی تشکیل جدید کی ضرورت

ہے وہ تمام کے تمام کم سے کم مباح شرعی کے درجہ میں ضرور آتے ہیں مثلاً قانون عائلی (زواج و طلاق) اور اس سے متعلقہ ابواب۔ قانون اوقاف۔ قانون حقوق عائلہ۔ قانون اصول محاکمات۔ قانون ایتام۔ قانون الوعظ و الارشاد۔ قانون تفتیش المحاکم۔ قانون الترکات۔ قانون المیراث۔ قانون الوصیت۔ قانون ترکات غیر مسلمین۔ قانون نظام صلاحیۃ المحاکم انتظامیہ والدینیہ۔ قانون تسجیل الزواج و الطلاق۔ قانون تسویۃ الاراضی۔ قانون التصرف فی الاموال منقولہ و غیر منقولہ۔ قانون تحویل الاراضی۔ قانون الایجار والبیع۔ قانون بیع الوفا۔ قانون ہبہ۔ وغیرھم اور ان کے فروعات متعلقہ"

اب ہم اصل مسئلہ یعنی مباح کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اس مسئلہ میں موصوف کا دعویٰ یہ ہے کہ مباح کی دو قسمیں ہیں، مباح شرعی اور مباح الاصل۔ ان کے نزدیک مباح شرعی میں کسی کو تغیر و تبدل کا حق حاصل نہیں، جیسا کہ فرض و واجب میں تغیر و تبدل مداخلت فی الدین ہے۔ اسی طرح مباح شرعی میں بھی تغیر و تبدل مداخلت فی الدین ہے ——— جہاں تک مباح شرعی میں تغیر و تبدل کا تعلق ہے، اس کے ثبوت میں صحابہ کرام اور تابعین کے وہ اعمال و اقوال ہیں۔ جو ہم اپنے مضمون کے ابتدائی حصے میں اختصار سے ذکر کر چکے ہیں، ان پر غور کیا جائے تو صاف نظر آئے گا کہ اس دور میں مباح شرعی میں تغیر و تبدل کا اختیار تھا مگر شرط یہ ہے کہ تمام مخالفانہ جذبات سے قلب و دماغ خالی ہو۔ ان کے علاوہ بھی بہت سے ایسے مسائل ہیں، جن میں ان حضرات متقدمین نے تغیّر و تبدل سے کام لیا۔ ان حضرات متقدمین کے ایسے مسائل کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔

وہ دلائل جو موصوف نے اپنے دعوے کی تائید میں پیش کیے ہیں، ان میں سے ایک تو علامہ ابو اسحٰق شاطبی کی کتاب الموافقات کی وہ عبارت ہے جو ہم ان صاحب کے مضمون ہی سے گزشتہ سطور میں نقل کر چکے ہیں۔ اور دوسری عبارت امام غزالی کی کتاب المستصفیٰ کی ہے۔ جو یہ ہے۔ وکشف الغطاء عنہ ان الافعال ثلاثۃ اقسام۔ قسم بقی علی الاصل فلم یرد فیہ من الشرع تعرض لا بتصریح اللفظ ولا بدلیل من ادلۃ السمع فینبغی ان یقال استمر فیہ ما کان، ولم یتعرض لہ السمع۔ فلیس فیہ حکم، وقسم صرح الشرع فیہ بالتخییر وقال ان شئتم فافعلوہ وان شئتم فاترکوہ فہذا الخطاب والحکم لا معنی لہ الا الخطاب ولا سبیل الی انکارہ وقد ورد۔ وقسم ثالث لم یرد فیہ خطاب بالتخییر لکن دل دلیل السمع

على نفي الحرج عن فعله وتركه، فقد عرف بدليل السمع، ولولا هذا الدليل لكان يعرف بدليل العقل نفي الحرج عن فاعله وبقاؤه على نفي الاصل.[1]

اور اس حقیقت سے پردہ اس طرح اٹھتا ہے کہ افعال کی تین قسمیں ہیں ایک قسم تو وہ ہے جو اصل اباحت پر باقی رہ گئی ہو اور شریعت کی طرف سے اس کے حق میں کسی قسم کا تعرض نہ کیا گیا ہو، نہ صریح الفاظ سے اور نہ سمعی دلائل میں سے کسی دلیل سے۔ اس قسم کے متعلق یہ کہنا چاہیئے کہ اس میں اصلی حیثیت برقرار رہی۔ اور شریعت نے اس سے کوئی تعرض نہ کیا۔ لہٰذا اس میں کوئی حکم نہیں۔ دوسری قسم وہ ہے کہ اس کے بارے میں شریعت نے صراحتاً اختیار دے دیا۔ اور کہہ دیا کہ چاہے کرو اور چاہے نہ کرو۔ پس یہ خطاب ہے۔ اور خطاب حکم ہی ہوتا ہے۔ جس کے انکار کی گنجائش نہیں۔ اور تیسری قسم وہ ہے جس میں شریعت کی طرف سے کرنے نہ کرنے کے بارے میں تو کوئی خطاب وارد نہیں ہوا۔ البتہ نقلی دلیل اس امر پر دلالت کرتی ہے اس فعل کے کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اور نہ اس کے ترک میں کوئی حرج ہے۔ تو یہ سمعی دلیل سے معلوم ہوا۔ اور اگر یہ دلیل نہ ہوتی تب بھی دلیل عقلی سے یہ سمجھا جاتا کہ اس کے فاعل پر کوئی حرج نہیں اور وہ اصلاً نفی حرج پر باقی رہتا ہے۔

اس کے بعد حضرت عمرؓ کے عہد کے چند واقعات اس کے ثبوت میں پیش کیے گئے ہیں جیسے ان کا مہر کی مقدار کا چار سو درہم مقرر کرنا اور پھر اس سے رجوع فرما لینا۔ ان کی طرف سے اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح پر پابندی عائد کرنا اور اس پر حضرت حذیفہ کا اعتراض اور حضرت عمرؓ کا جواب نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں حضرت علیؓ کا نکاح ثانی پر آمادہ ہونا اور اس سلسلے میں آپؐ کا یہ ارشاد ہے۔

وانی لست احرم حلالاً ولا احل حراماً ولکن واللہ لا یجتمع بنت رسول اللہ وبنت عدو اللہ مکاناً واحداً ابداً (مسلم ج ۲ ص ۲۹۰) بینات ماہ صفر ۸۳ھ ص ۱۱۴

(میں کسی حرام کو حلال اور کسی حلال کو حرام نہیں قرار دیتا۔ لیکن رسولؐ کی بیٹی اور اللہ کے دشمن کی بیٹی دونوں ایک مقام پر جمع نہیں ہو سکتیں کبھی بھی۔)

---

[1] المستصفی ص ۴۸ مطبوعہ مصر ۱۳۵۶ھ ورسالہ بینات ماہ محرم ۸۳ ص ۵۱۔

اس سلسلے میں امام شاطبی کی کتاب اعتصام سے وہ عبارت پیش کی گئی ہے، جو آیت کریمہ یا ایھا الذین اٰمنوا لا تحرموا طیبات ما احل اللہ لکم۔ کے تحت آئی ہے یعنی لان التحریم کالتحلیل والتشریع لیس الا لصاحب الشرع ۔۔۔ فھذا کلہ حجۃ فی ان تحریم الناس لیس بشئ۔) بینات ماہ صفر ۱۳۸۳ھ ص ۱۱۴

اے ایمان والوان اشیاء کو حرام قرار دو جن کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے حلال ٹھہرایا ہے اس لیے کہ تحریم (کسی چیز کو حرام قرار دینا) تحلیل (کسی چیز کو حلال قرار دینا) کی طرح ہے۔ اور تشریع کا حق سوائے صاحب شرع کے دوسرے کو نہیں۔ پس یہ تمام اس امر کی حجت ہے کہ انسانوں کا کسی چیز کو حرام قرار دینا کوئی شئے نہیں۔ اس کے ساتھ ہی الاشباہ والنظائر کی عبارت اذا کان فعل الامام الخ اور فتاویٰ قاضیخان میں سے کتاب الوقف کا یہ مسئلہ نقل کیا ہے کہ لو ان سلطان اذن بقوم الی آخرہ (رسالہ بینات ص ۱۱۵)۔ اور اسی طرح ماہنامہ بینات بابت ماہ ربیع الاول ۱۳۸۳ھ میں مسئلہ مؤلفۃ القلوب پر بحث کے ضمن میں اپنا استدلال پیش کیا ہے اور اسی طرح حد سرقہ کے سقوط کی علت اپنے طور پر بیان کی ہے اور اسے صحیح علت قرار دیا ہے اور اس بارے میں فتح القدیر۔ اعلام الموقعین اور مؤطا امام مالک سے متعدد احادیث و آثار کے حوالہ جات دیتے ہیں۔ صاحب موصوف کے ان تمام دلائل پر ہم ترتیب وار روشنی ڈالتے ہیں۔

اولاً۔ امام شاطبی کی عبارت کو اس دعویٰ کی تائید میں کہ مباح شرعی کسی تقیید و تبدل کا محل نہیں اور اس میں تقیید و تبدل کا حق کسی کو نہیں پیش کرنا چند وجوہ کی بنا پر صحیح نہیں۔ (۱) اس لیے کہ علامہ شاطبی نے مباح کی بحث کے ضمن میں مباح کے حقیقی معنی۔ من حیث ھو ھو یہ لکھے ہیں۔ المباح من حیث ھو مباح لا یکون مطلوب الفعل ولا مطلوب الاجتناب[1] (مباح حقیقی معنی میں وہ ہے کہ جس کا فعل و ترک کوئی ایک بھی مطلوب نہیں ہوتا۔) اس عبارت کو مع دیگر حوالہ جات کے صاحب موصوف نے بھی نقل فرمایا ہے۔ لہٰذا مباح اپنے حقیقی معنی کے اعتبار سے۔ من حیث ھو ھو۔ صرف ایک ہی قسم میں محدود ہے۔ یعنی مباح الاصل

---

[1] الموافقات جلد اول ص ۵۶ مطبوعہ مصر

اور موصوف نے جو عبارت موافقات سے نقل فرمائی ہے اور جس میں مباح کے چند اقسام بیان کیے گئے ہیں تو وہ اقسام خارجی ذرائع کے اعتبار سے ہیں۔ خود علامہ شاطبی مذکورہ بالا عبارت سے قبل اس کی صراحت یوں کرتے ہیں۔ (ان الکلام فی اصل المسئلة انما هو فی المباح من حیث هو مباح متساوی الطرفین۔ ولم نتکلم فیما اذا کان ذریعة الی امر الی آخر فانه اذا کان ذریعة الی ممنوع صار ممنوعاً من باب سد الذرائع لا من جهة کونه مباحاً) ہماری گفتگو یقیناً مباح کے حقیقی معنی میں ہے۔ اور وہ معنی یہ ہیں کہ مباح مساوی الطرفین ہے اور اس صورت میں گفتگو نہیں کی گئی، جب کہ وہ کسی دوسرے امر کا ذریعہ ہو۔ اس صورت میں اگر وہ کسی ممنوع کا ذریعہ ہے تو ممنوع ہوگا گویا سد الذرائع کے سلسلہ سے متعلق ہوگا، نہ کہ مباح ہونے حیثیت سے۔

اس سے تین سطروں بعد فرمایا ہے۔ وایضاً قد یتعلق بالمباح فی سوابقه او لواحقه او قرائنه ما یصیر به غیر مباح[1] (اور یہ بھی ہے کہ کبھی مباح سے پہلے یا بعد یا دیگر قرائن ایسے لاحق ہو جاتے ہیں جن کی وجہ سے مباح مباح نہیں رہتا) ان عبارتوں سے قبل علامہ شاطبی نے سوالات وجوابات کی صورت میں ایک بسوط بحث کی ہے، جس کا ماحصل یہ ہے کہ مباح اپنے حقیقی معنی کے اعتبار سے متساوی الطرفین ہے۔ اس کا فعل یا ترک کوئی جہت بھی نہ قابل اجر و ثواب ہے نہ قابل مواخذہ و جرم اور اس پر علامہ نے سات دلائل قائم کیے ہیں اور پھر ایک اعتراض وارد کرکے اس کا جواب دیا ہے اس جواب کے تحت وہ تمام عبارتیں مذکور ہیں۔ جن کا خلاصہ یہ ہے کہ بعض سوابق ولواحق خارجیہ ایسے عارض ہو جاتے ہیں کہ ان کی بنا پر مباح کی کوئی ایک جہت: ترک یا فعل۔ اباحت سے خارج ہوکر واجب یا سنت یا مندوب یا مکروہ وغیرہ احکام کے درجہ میں آجاتی ہے اور مباح خالص مباح نہیں رہتا۔ مباح حقیقی اس وقت مباح حقیقی ہوگا جبکہ اس میں تخییر کے معنی موجود رہیں۔ اسی ضمن میں علامہ شاطبی فرماتے ہیں۔ فالحاصل ان الشارع لا قصد له فی فعل المباح دون ترکه ولا فی ترکه دون فعله بل قصده جعله لخیرة المکلف فما کان من المکلف من فعل او ترک فذلك قصد الشارع بالنسبة الیه۔ خلاصہ یہ نکلا کہ مباح کے فعل

---

[1] الموافقات جلد ۱ ص۵۹ مطبوعہ مصر

یا ترک کسی جانب سے شارع کا قصد متعلق نہیں ہوتا۔ بلکہ مکلف کے اختیار پر چھوڑ دینا مقصد ہوتا ہے۔ اب مکلف کی جانب سے فعل یا ترک جو بھی اختیار کیا جائے گا وہی شارع کا مقصد ہو گا۔

شارع کا قصد و ارادہ نہ تو مباح کے فعل کا ہوتا ہے اور نہ اس کے ترک کا۔ بلکہ اس سے شارع کا مقصود محض یہ ہوتا ہے کہ مکلف کو دو جانبوں میں اختیار دے دیا جائے۔

لیکن اس پر ایک اشکال یہ وارد ہوتا تھا کہ بعض مباحات ایسے ہیں کہ جن کے فعل کے بارے میں شارع کا قصد صراحت کے ساتھ موجود ہے، اور بعض ایسے ہیں جن کے ترک کے بارے میں قصدِ شارع موجود ہے۔ مثلاً فرمایا گیا ہے:

یایھا الناس کلوا مما فی الارض حلالاً طیبا۔ اے لوگو! زمین میں جو کچھ ہے اس کو حلال اور طیب سمجھ کر کھاؤ۔

یہاں طیبات سے تمتع کا صاف حکم موجود ہے۔ اور فرمایا ہے:

یا ایھا الذین آمنوا کلوا من طیبات ما رزقنٰکم واشکروا اللّٰہ

اے ایمان والو! ہم نے جو پاکیزہ چیزیں تم کو عطا کی ہیں ان کو کھاؤ اور اللہ کا شکر کرو۔

اور فرمایا ہے:

یا ایھا الرسل کلوا من طیبات واعملوا صالحا۔

اے رسولو! پاکیزہ اشیاء سے کھاؤ اور صالح عمل کرو۔

اس کے مثل اور بھی مباحات ہیں، جہاں شارع کا مقصود ان پر عمل کرنا ہے۔ اس کے علاوہ زمین میں جتنی نعمتیں پیدا کی گئی ہیں، وہ تمام بندوں کے استمتاع کے لئے ہیں۔ اور ان کی تخلیق پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے بندوں پر اپنے احسان کا اظہار فرمایا ہے۔ ارشاد ہے:

قل من حرم زینۃ اللّٰہ التی اخرج لعبادہ والطیبات من الرزق قل ھی للذین امنوا فی الحیاۃ الدنیا خالصۃ یوم القیامۃ۔

فرمادیجئے بندوں کے لئے زینت کی غرض سے خدا کی طرف سے دی گئی اشیاء کو کون حرام ٹھہرا سکتا ہے۔ (اور اسی طرح) پاکیزہ رزق کو؛ فرمادیجئے کہ یہ دنیا کی زندگی میں ایمان والوں کے لئے ہیں اور قیامت میں خاص طور سے ان کے لئے۔

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ شارع کا مقصود ان نعمتوں سے فائدہ اٹھانا ہے انہیں ترک کرنا

نہیں ہے۔ نیز یہ کہ یہ تمام نعمتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کے لئے عطیات ہیں۔ کیا ایسی صورت میں کسی بندے کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے آقا کے عطیے کو رد کردے۔ شریعت اور عادت دونوں لحاظ سے یہ عمل غیر مستحسن ہے عطیہ دینے والے کا مقصود صرف یہ ہوتا ہے۔ اس کا عطیہ قبول کیا جائے۔ خصوصاً اللہ تبارک وتعالیٰ کے عطیات کا قبول کرنا جو کہ اس کا ایک انعام بھی ہے ہر بندے پر لازم ہے اور پھر یہ کہ اس پر اس کا کماحقہ شکر ادا کرے۔ چنانچہ حضرت ابن عمرؓ اور حضرت عمرؓ کی صلوٰۃ قصر کی حدیث اس معنی پر واضح دلیل ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

انما صدقۃ تصدق اللہ بھا علیکم فاقبلوا صدقتہ

یہ (نماز کا قصر) اللہ کی طرف سے تم پر صدقہ ہے اس کے صدقہ کو قبول کرو۔

اور حضرت ابن عمر کی موقوف حدیث میں یہ الفاظ زائد مروی ہیں۔

ارأیت لو تصدقت بصدقۃ فردت علیك الم تغضب [1]

تبلاؤ، تم اگر کسی شخص پر صدقہ کرو، اور وہ تمہارے صدقہ کو واپس کردے۔ تو کیا تم کو غصہ نہ آئے گا۔ (مسلسل)

---

[1] الموافقات جلد ۱ ص۶۷ ۔ [2] ملاحظہ ہو الموافقات ص۶۵ ۔ [3] الموافقات جلد ۱ ص۶۸

مجموعۂ قوانین اسلامی

(جلد اوّل)

تنزیل الرحمٰن (ایڈووکیٹ) اعزازی پروفیسر ادارہ تحقیقات اسلامی

ادارہ تحقیقات اسلامی نے اسلامی قوانین کو جدید انداز پر مدون کرنے کا جامع منصوبہ بنایا ہے یہ کتاب اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے

صفحات: ۳۴۸ ☆ قیمت دس روپے

ادارۂ تحقیقات اسلامی، لال کرتی، راولپنڈی